© rasailojaraid.com

قرآن کیا ہے؟

توبی لیسٹر*

[تقریباً دو صدیوں سے غیر مسلم مستشرقین کی کوشش رہی ہے کہ قرآن کریم اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانۂ تنقید بنائیں تاکہ اسلام سے کم آگاہ مسلمان اور غیر مسلم کم از کم اسلام کی بنیادوں کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہو جائیں۔ زیر نظر مضمون اس نوعیت کی فکری صلیبی جنگ کا نمائندہ ہے۔ اس کا خلاصہ نقل کفر کفر نباشد کے پیش نظر درج کیا جا رہا ہے۔ حالیہ شمارہ کا اداریہ ان شکوک کا جواب قرآن کریم کی روشنی میں پیش کر رہا ہے۔ ادارہ]

ایک یمنی دریافت

۱۹۷۲ء میں صنعا (یمن) کی ایک پرانی مسجد کی بحالی کے دوران مزدوروں کو ایک قبر کے آثار ملے لیکن انہوں نے زیادہ توجہ نہ دی کیونکہ مسلمان مساجد میں قبریں نہیں بناتے۔ لیکن اس قبر میں کسی میت کی باقیات نہیں تھیں۔ اس میں چرمی پارچے اور کاغذی مواد تھا جو فرسودہ کتب اور عربی متون کے صفحات پر مشتمل تھا جو صدیوں کی نمی سے مجو کر گودہ بن چکا تھا اور جسے چوہوں، کیڑوں نے بھی کتر رکھا تھا۔ مزدوروں نے یہ سارا مواد بیس تھیلوں میں بھر کر مسجد کے ایک مینار کی سیڑھیوں میں رکھ دیا۔ اگر یمنی محکمہ آثار قدیمہ کے صدر قاضی اسمٰعیل الاکوع کی نظر نہ پڑتی تو اس مواد کو حسبِ سابق بھلا دیا جاتا۔

قاضی موصوف نے ان پارچوں کو جانچنے اور محفوظ کرنے کے لیے بین الاقوامی مدد کے حصول کی کوشش کی اور آخر ۱۹۷۹ء میں ایک جرمن عالم کی دلچسپی بیدار کرنے میں کامیاب ہوئے جنہوں نے

* Toby Lester, "What is the Koran?", *The Atlantic Monthly*, January 1999, vol. 283

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جرمن حکومت کو ان خستہ پارچوں کی بحالی کے لیے مالی امداد پر آمادہ کر دیا۔ کام شروع ہوتے ہی جلد اندازہ ہوا کہ مذکورہ دفینہ کچھ اور مواد کے ساتھ ساتھ مصحف قرآنی کے ہزاروں پارچوں کا مجموعہ ہے۔ متقی مسلمان قرآن کے پرانے نسخے اور پھٹے ہوئے صفحات بالعموم اس طرح دفن کر دیتے ہیں کہ صرف مکمل ایڈیشن ہی زیر مطالعہ رہیں۔

اس یمنی مواد کے بعض صفحات کے متعلق اندازہ لگایا گیا ہے کہ ان کا تعلق ساتویں آٹھویں صدی عیسوی سے ہے جو اسلام کی ابتدائی دو صدیاں ہیں۔ گویا یہ پارچے قرآن [پاک] کے انتہائی قدیم نسخے تھے۔ زیادہ اہم بات یہ دیکھنے کو ملی ہے کہ بعض ٹکڑوں میں گو کم لیکن حیرت انگیز طور پر مستند قرآنی متن سے انحراف موجود تھا۔ گو نص اور متن سے متعلق مورخوں کے نزدیک یہ اختلاف زیادہ حیران کن نہیں لیکن اس قدیم اور پختہ مسلم عقیدے کے ساتھ متناقص ضرور ہے کہ قرآن ہم تک کامل، لازمان اور غیر متبدل کلمۃ اللہ کی شکل میں پہنچا ہے۔

قرآن کے متن کی نئی تشریح کرنے کی لادینی کوشش، جو ایک حد تک متنی شہادت پر مبنی ہو، جیسا کہ یمنی اوراق سے فراہم ہوئی ہے، بہت سے مسلمانوں کے لیے باعث اذیت اور نفرت انگیز ہے، بالکل ایسے ہی جیسے بائبل اور [سیدنا] عیسیٰ [علیہ السلام] کی حیات [مبارکہ] کی از سرنو تشریح بہت سے قدامت پسند عیسائیوں کے لیے باعث اذیت اور نفرت انگیز ہے۔ لیکن کچھ سکالر ایسے ہیں، اور ان میں مسلمان بھی شامل ہیں، جو محسوس کرتے ہیں کہ ایسی کوششیں جو قرآن کی تاریخی تعبیر پر مرکوز ہوں ایک طرح کی "تجدید" اسلامی کا باعث ہوں گی۔ اُن سے روایات کی تشکیل جدید ہوگی جو پیچھے دیکھتے ہوئے بھی آگے کی طرف قدم ہوگا۔ اصلاحِ مذہب اور نشاۃ ثانیہ کی تاریخ کی یہی گواہی ہے کہ یہ تصور جو فی الحال علمی دائرے تک محدود ہے، کافی بڑے سماجی انقلاب کا باعث بن سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن بہر کیف دُنیا کی سب سے زیادہ مؤثر نظریاتی کتاب ہے۔

یمنی پارچوں پر ایک نظر

سارلینڈ یونیورسٹی، (ساربروکن، جرمنی) کے عربی خطاطی کے ماہر جیرڈ-آر-پوئن (Gerd.R.Puin)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے یمنی پارچوں کے مطالعے میں کافی وقت صرف کیا۔ انہیں مواد کی قدامت کا احساس بھی ہوا اور سرسری مطالعے سے ان پر یہ بھی واضح ہوا کہ اس میں آیات کی ترتیب غیر رواجی ہے، متون میں چھوٹے چھوٹے اختلافات ہیں اور علم املا و حروف اور فنی آرائشگی کے نادر نمونے ہیں۔ زیادہ پر کشش بعض قدیم ترین قرآنی ٹکڑوں کی پرانی حجازی عربی نگارش تھی۔ کچھ چرمی پارچے ایسے بھی تھے جن پر کچھ تحریر مٹا کر دوبارہ لکھی جاسکتی ہے(palimpsests)۔

پوئن نے محسوس کیا کہ ''یمنی صفحات یہ بتا رہے ہیں کہ قرآن محض اور کاملاً وہ قولِ خداوندی نہیں جو محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] پر ساتویں صدی عیسوی میں وحی کے ذریعے نازل ہوا، بلکہ ایک ارتقا پذیر متن ہے''۔

۱۹۸۰ء کی دہائی کی ابتدا سے یمنی صحف کے ۱۵۰۰۰ ٹکڑے پھیلا کر، صاف کر کے، مرتب اور جمع کیے گئے۔ اب یہ سارا مواد یمن کے ''خانہ مسودات'' میں رکھ دیا گیا ہے---بقولِ پوئن: ''مزید ایک ہزار سال کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے''۔ مواد کے تفصیلی جائزہ کی اجازت یمنی حکام نہیں دے پا رہے ہے۔ پوئن کا خیال ہے کہ ''یمن کے حکام اس معاملے کو اچھالنا نہیں چاہتے ہم بھی یہی چاہتے ہیں تاہم اس کی وجوہ مختلف ہیں۔ شائد وہ مسلمانوں کو یہ بتانا پسند نہیں کریں گے کہ بعض جرمن اور دوسرے افراد اس مواد پر کام کر رہے ہیں کیونکہ مسلمانوں کی پوزیشن یہ ہے کہ قرآنی تاریخ کے متعلق جو کچھ بتایا جانا تھا ہزار سال پہلے بتایا جاچکا ہے''۔

پوئن کے ساتھ ایک اور فرد یعنی فنونِ اسلامی کے مورخ سارلینڈ یونیورسٹی ہی کے گراف وان بوتھمر (Graf Von Bothmer) کو بھی مطالعے کی اجازت دی گئی ہے۔ ان دونوں نے مختصر لیکن عالمانہ مقالوں میں ترسانے والے انداز میں کچھ باتیں بتائی ہیں کہ یمنی پارچوں سے ان پر کیا منکشف ہوا ہے۔ انہوں نے ڈرتے ڈرتے ایسا کیا ہے، کچھ تو اس لیے کہ مواد کی ترتیب ابھی پوری نہیں ہوئی۔ نیز انہیں خدشہ تھا کہ یمنی حکام انہیں مزید کام سے روک دیں گے۔ البتہ وان بوتھمر نے ۱۹۹۷ء میں ۳۵۰۰۰ مائیکرو فلمیں تیار کر لیں تھیں جو وہ اپنے ساتھ جرمنی لے آیا ہے۔ امید ہے کہ اب پوئن، بوتھمر اور ان کے ساتھی اپنے نتائج فکر تفصیلاً شائع کر دیں گے۔ یہ ایک ایسا امکان ہے جس نے پوئن کو ہیجان میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس کا کہنا ہے: ''بہت سے مسلمان سمجھتے ہیں کہ قرآن کی جلد میں جو کچھ ہے وہ خدا کا غیر محرف کلام ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہیں یہ بتانا تو پسند ہے کہ بائبل کے متنی (Textual) مطالعے کے مطابق یہ کتاب تاریخی [یعنی تغیر پذیر] ہے اور سیدھی آسمان سے نہیں اتری، لیکن قرآن کو تا حال اس الزام سے مبرا سمجھا گیا ہے۔ اب فرق و امتیاز کی یہ دیواریں توڑی جا سکتی ہیں کہ ثابت کر دیا جائے کہ قرآن کی بھی ایک تاریخ ہے۔ صنعا کے پارچے اس معاملے میں ہماری مدد کریں گے''۔

جوزف پوئن اپنے جوش و جذبے میں کوئی تنہا فرد نہیں۔ قرآن پر سرگرم تحقیق کرنے والے کالگیری یونیورسٹی کے پروفیسر اینڈریو رپن (Andrew Rippin) بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ''یمنی مسودات کے اثرات ابھی محسوس ہونے ہیں۔ ان کی قرأتوں کا اختلاف اور آیات کی ترتیب بہت اہم ہے۔ ان ابتدائی پارچوں سے پتہ چلتا ہے کہ قرآنی متن کی تاریخ عام گمان کے برعکس ابھی حل طلب سوال ہے اور متن اتنا مستند نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے''۔

تحریر خداوندی کی ادارت

بائبلی مطالعے کے معیار کے مطابق پوئن وغیرہ کے اٹھائے گئے سوالات معتدل لگتے ہیں۔ غیر اسلامی نقطہ نظر سے اتنا کہنا کہ قرآن کی ایک تاریخ ہے اور یہ کہ مجاز و استعارہ کے انداز میں اس کی تشریح نو کی جا سکتی ہے زیادہ انقلابی اور اساسی اعتراض نہیں بنتا ـــــ لیکن مسلم نقطہ نظر اور حساسیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یونیورسٹی آف کیلی فورنیا (سانتا باربرا) کے علوم اسلامی کے پروفیسر سٹیفن ہمفرے (R. Stephen Humphreys) کہتے ہیں کہ

> قرآن [مسلمان] امت کا چارٹر اور باعثِ وجود ہے اور مثالی طور پر ـــــ اگرچہ ظاہر ہے کہ یہ ہمیشہ حقیقت نہیں بن سکی ـــــ [پوری] اسلامی تاریخ قرآن کے احکامات کو انسانی زندگی میں عملی تعبیر دینے کی کوششوں پر مبنی رہی ہے۔ اگر قرآن تاریخی دستاویز [ارتقا پذیر] ہے تو چودہ صدیوں کی پوری مسلم جدوجہد بے معنی ہو جاتی ہے۔

قرآن کے بارے میں راسخ العقیدہ مسلم تصور کہ قرآن خدا کے الفاظ پر مبنی ہے، اپنے پیغام، زبان، سٹائل اور صورت میں کامل اور غیر متبدل ہے، بالکل ویسا ہی ہے جیسا بائبل کی 'خطا ناپذیری' اور 'ربانی کلام'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے کے بارے میں بنیاد پرست عیسائیوں کا عقیدہ ہے اور جو آج بھی بہت سے مقامات پر عام ہے۔ اس عقیدے کا کلاسیکی اظہار محض ایک صدی سے کچھ زیادہ پہلے کے بائبلی اسکالر جان ولیم برگون (John William Burgon) کے ہاں ملتا ہے:

بائبل عرشِ معلیٰ پر متمکن ذات باری کے سوا کسی اور کی آواز نہیں۔ اس کی ہر کتاب، ہر باب، ہر آیت، ہر لفظ اور ہر حرف --- براہ راست خدائے بزرگ کا ارشاد و فرمان ہے۔

تاہم سبھی عیسائی اس طرح نہیں سوچتے۔ درحقیقت، جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (۱۹۸۱ء) میں نشان دہی کی گئی ہے: ''مسلم عقیدے میں قرآن کا جو کردار ہے، عیسائی عقیدے میں اس کی مثل بائبل نہیں بلکہ)خود[عیسیٰ [علیہ السلام] ہیں''۔ اگر عیسیٰ [علیہ السلام] خدا کے الفاظ کی بدنی تجسیم ہیں، تو قرآن خدا کے کلام کا متن ہے۔ چنانچہ اس کے تقدس پر سوال اٹھانا براہ راست اسلام پر حملہ کے مترادف ہے۔ جس کا بہت کچھ اندازہ رُشدی جیسے لوگوں کو بہ خوبی ہے۔

البتہ مسلم ردعمل قرآن کے تنقیدی-تاریخی مطالعے سے باز رکھنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکا۔ ''مصادرِ قرآن'' (*The Orgins of the Koran 1998*) میں مشمولہ مقالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ رشدی کے معاملے کے بعد بھی یہ کام بدستور جاری ہے۔ ۱۹۹۶ء میں گُنتر لُولنگ (Gunter Luling) نے *The Journal of Higher Criticism* میں لکھا: ''قرآن اور ابتدائی اسلامی تاریخ میں بڑی حد تک تحریف ہوئی جسے مغربی اسلامیین (Islamicists) نے زمانہ حال تک بلاتردد قبول کیا''۔ عبرانی یونیورسٹی یروشلم کے یہودا نیوو (Yahuda D Nevo) کی بعد از مرگ شائع شدہ تحریر، جو *Jerusalem Studies in Arabic and Islam* میں شائع ہوئی، میں ساتویں اور آٹھویں صدی کے ان مغربی کتبات کی تفصیل ہے جو صحرائے نجف میں پتھروں پر کندہ ہیں۔ نیوو کے خیال میں یہ کتبات: ''اسلامی تاریخ کے روایتی مسلم تصور کے ضمن میں کئی مسائل کھڑے کرتے ہیں''۔ اسی سال اسی رسالے میں (Institute for Advanced Study-Princeton, New Jersey) کی پیٹریشیا کرون (Patricia Crone) کا مقالہ شائع ہوا جس میں اس نے دلیل دی کہ: ''قرآن کے پیچیدہ اور الجھے ہوئے حصوں کی تشریح تبھی ممکن ہوگی اگر --- تخلیق [تنزیل] قرآن کا روایتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصور جھٹک دیا جائے''۔ ۱۹۹۱ء سے *Journal of the American Oriental Society* میں مشی گن یونیورسٹی کے جیمز بیلامی (James Bellamy) اپنے سلسلہ مضامین میں ''قرآنی متن کی اصلاح''میں مشغول ہیں۔ مسلم تناظر میں یہ حرکت تحریر خداوندی کی ایڈیٹنگ ہی سمجھی جائے گی۔

پیٹریشیا کرون اس گروہ کی سب سے بڑی ''روایت شکن'' ہے۔ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کی دہائیوں میں اس نے کئی کتب تصنیف کیں یا ان کی تیاری میں مدد دی۔ اس کی بدنام زمانہ کوشش وہ ہے جو اس نے *Hagarism: The Making of the Islamic World (1977)* کے نام سے مائیکل کک (Michael Cook) کے ساتھ مل کر کی۔ اس میں اسلامی تاریخ اور ابتدا کے متعلق اساسی سوال اٹھائے گئے۔ اس میں ایک دعویٰ یہ تھا کہ ''قرآن کا متن کافی بعد میں وجود میں آیا''۔ مزید یہ کہ: ''ساتویں صدی کی آخری دہائی سے پہلے قرآن کی کسی بھی شکل میں موجودگی کا کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں ---کہ پہلا اسلامی حرم مکہ نہ تھا، بلکہ عرب کے شمال مغرب میں تھا---کہ ابتداً عرب فتوحات ہوئیں پھر اسلام کو اداراتی شکل ملی---کہ [حضرت] محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کی ۶۲۲ء میں مکہ سے مدینہ ہجرت کا تصور محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کی وفات کے بہت بعد سامنے آیا (ساتویں صدی کا کوئی [تاریخی] ماخذ (source) عرب ہجری دور کی نشان دہی نہیں کرتا)---اور کہ ابتدائے اسلام میں لفظ 'مسلم' کا استعمال بھی عام نہ تھا''۔

Hagarism پر مسلم اور غیر مسلم دونوں حلقوں سے سخت اعتراض ہوئے کہ اس کتاب کا زیادہ تر انحصار معاندانہ (hostile) مآخذ پر ہے۔ [چنانچہ] کرون اور کک نے اپنے کچھ زیادہ انتہا پسندانہ تصورات سے رجوع کر لیا۔ مثلاً یہ کہ ''محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] اسلامی تصور کے برعکس دو برس زیادہ جیے اور کہ مدینہ کی طرف ہجرت مشکوک ہے''۔ لیکن کرون اسلامی تاریخ کے بارے میں مسلم اور مغربی قدامت پسندانہ خیالات پر بدستور معترض رہی۔ اس نے اپنی کتاب ''مکہ کی تجارت اور اسلام کا عروج'' (*Meccan Trade and the Rise of Islam 1987*) میں تفصیلی دلائل کے ساتھ مغربی (اور کچھ مسلم بھی) اسکالرز کی اس رائے کو چیلنج کیا کہ اسلام کو عربوں کی مسالہ جات کی تجارت کے جواب میں عروج حاصل ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیرڈ یوئن کا قرآنی تاریخ کا حالیہ تصور ترمیم پسندی یا تجدید پسندی (revisionism) کی عصری لہر میں شامل ہے۔ وہ کہتا ہے: ''میرے خیال میں قرآن مختلف متون کا کاک ٹیل ہے جنہیں خود محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کے زمانے میں بھی نہیں سمجھا جا سکا۔ ان میں سے بہت سے متن اسلام سے سو سال سے بھی زیادہ پرانے ہو سکتے ہیں۔ بہ شمول عیسائی خامرات خود اسلامی روایات میں متضاد اطلاعات ہیں--- کہ کوئی چاہے تو ایک مختلف اسلامی تاریخ مرتب کر سکتا ہے''۔ [العیاذ باللہ]

پیٹریشیا کرون اس تصور اور اس کے اہداف کا دفاع کرتی ہوئی کہتی ہے: ''قرآن کی بھی ایسی ہی تاریخ ہے جیسی کسی دوسری کتاب کی--- ہاں یہ ہے کہ ہمیں اس تاریخ کا پتہ نہیں۔ ہم مطالعہ کی کوشش کریں تو چیخنا چلانا شروع کر دیا جاتا ہے۔ یہ شور شرابا مغربیوں کی طرف سے ہو تو کسی کو بُرا نہیں لگتا، لیکن جب دوسرے لوگ ایسا کرتے ہیں تو مغربی لوگ تعظیماً سر جھکا دیتے ہیں [اور ہمیں کہتے ہیں]: تم کون ہوتے ہو جو کسی کے ورثے میں مداخلت کرتے ہو؟ جبکہ ہم اسلامیین کسی کا عقیدہ برباد کرنے کی خواہش نہیں رکھتے''۔

اس انداز مطالعہ وتنقید سے سبھی متفق نہیں ہیں۔ بالخصوص جبکہ مغرب میں قرآنی علوم پر تحقیق وتالیف کا علم بلاشبہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان کھلی دشمنی کے تناظر میں وجود میں آیا۔ ('مشرق' کی تشریح کی غرض سے گزشتہ دو صدیوں کے دوران مغرب میں جو بڑی علمی تحریک روپذیر ہوئی جسے عام طور پر استشراق کہا جاتا ہے، اسے حالیہ چند برسوں میں اپنے تہذیبی اور مذہبی تعصّبات کی وجہ سے شدید تنقید کا نشانہ بھی بنایا گیا ہے) خصوصاً عیسائی اور یہودی علماء کے نزدیک قرآن کفر اور بدعت [العیاذ باللہ] ہے۔ مثلاً انیسویں صدی کے مستشرق ولیم میور کا خیال تھا کہ: ''قرآن تہذیب، آزادی اور سچائی کے اُن سخت جانی دشمنوں میں سے ہے جن سے دنیا اب تک آشنا ہو پائی ہے''۔ ابتدائی عہد کے روسی مفکرین نے بھی اسلام کے مآخذ کے بارے میں عیسائی مشنری جذبات کے ساتھ ہی نظریاتی تحقیق کا آغاز کیا۔ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء کی دہائی میں ایک روسی رسالے *"Ateist"* نے سلسلہ وار مضامین کا آغاز کیا، جس میں مارکسی اصطلاحات کے حوالے سے اسلام کے عروج کی تاریخ بیان کرنے کی کوشش کی گئی۔ کے ایس لیمبٹن اپنی کتاب *Islam and Russia* (اسلام اور روس ۱۹۵۶ء) میں اس کام کا خلاصہ اس طرح بیان کرتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے: ''کئی روسی مفکرین نے نظریہ پیش کیا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے تاجر پیشہ بورژوا طبقہ نے نوزائیدہ مذہب اسلام کو قوت محرکہ فراہم کی''۔ ایس پی ٹالسٹوف (S.P.Tolstov) کے مطابق: ''اسلام ایک سماجی و مذہبی تحریک تھی جس کی جڑیں جاگیردارانہ سماج میں نہیں بلکہ غلامی کی روایت رکھنے والے عرب معاشرے میں تھیں''۔ این اے موروزوف (Morozov) کے نزدیک: ''صلیبی جنگوں کے برپا ہونے تک، اسلام اور یہودیت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ انہی جنگوں کے بعد اسے جداگانہ تشخص ملا، جبکہ محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] اور پہلے خلفاء [راشدینؓ] درحقیقت دیومالائی شخصیات تھیں'' [العیاذ باللہ]۔ اس طرح موروزوف ایک غیر سنجیدہ نظریہ پیش کرنے والا شخص دکھائی دیتا ہے۔ لیمبٹن اپنی کتاب *Christ* (مسیح، ۱۹۳۰ء) میں لکھتا ہے، ''قرونِ وسطیٰ میں اسلام آریائی مذہب کی محض ایک ایسی شاخ تھا جو مکہ کے نزدیک بحیرہ احمر کے علاقے میں موسمیاتی عمل کے نتیجے میں پھوٹی''۔

ایک مسلم آواز

اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ قرآن کے تنقیدی مطالعہ کا یہ غیر اسلامی متعصبانہ انداز مسلمانوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ایسی ہر کوشش اور فکر کو فی الفور رد کر دیں۔ ۱۹۸۷ء میں ایک فصیح اور خوش بیان احتجاج ''مسلم ورلڈ بک ریویو'' (لیسٹر، یو- کے) میں سامنے آیا۔ ایس پرویز منظور کے مقالے ''مستشرقین اور مطالعہ قرآن'' ("Method against Truth: Orientalism and Quranic Studies", *Muslim World Book Rev*,7,No.4, 1987) نے مغرب کی قرآنی علمیت کو ازمنہ وسطیٰ کی مسیحی دنیا میں مناظراتی (polemical) جھگڑوں کا تسلسل اور ایک ایسی بند گلی قرار دیا جو خود اس کی اپنی پیدا کردہ ہے۔ اسلام پر مغرب کے طرز فکر کا یہ کثیر سطحی اور ہمہ گیر جواب تھا۔ پرویز منظور کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ

> قرآنی مطالعہ کا مستشرقین کا انداز نفرت، مایوسی اور انتقام سے عبارت ہے۔---مغرب اپنے عروج کی انتہا پر مملکت، چرچ اور علمی تفوق کی سہ گونہ طاقتوں سے لیس ہو کر مسلم ایمان پر پوری قوت سے حملہ آور ہے۔ خود پسند اور گھمنڈی، بے ڈھنگ اور غیر یکساں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخصیت کا حامل مغربی انسان، بے رحم معقولیت اور دنیا پر اپنے غلبہ کے نشہ کی سرشاری کے ساتھ اسلامی الہامی کتاب کو اس کی مضبوط بنیاد، بے میل سند اور ناقابلِ شکست اخلاقی برتری کے مقام سے گرانے کی کوشش میں ہے۔ مغرب کے اس شیطانی منصوبے کا اصل ہدف مسلم دماغ ہے۔ مغرب کو اسلام کے ''فتنہ فردا'' سے بچانے کے لیے وہ مسلم ضمیر و وجدان کو اس الٰہی پیغام کے ضمن میں خلش میں ڈالنا چاہتا ہے جو رسول [صلی اللہ علیہ وسلم] کی طرف وحی کیا گیا۔ ریب اور شک کا شکار ایسا مسلم دماغ سر ڈال کر مغرب کے مقابلہ سے دستبردار ہوگا۔ مستشرقین کے قرآن پر حملوں کا یہی مضمر مقصد ہے گو اُس کا اظہار بوجوہ نہیں ہوتا۔

یہ مسلم ردِعمل اپنی جگہ، لیکن مغربی محققین مختلف دینیاتی اور علمی زاویوں سے اپنے کام میں بدستور مگن ہیں اور قرآن کے متن پر اپنے مخصوص تاریخی تنقید اور ماڈرن طور طریقوں والے ہتھیار آزما رہے ہیں۔ اس کام کی وسعت کا کچھ اندازہ یورپی فرم ''برل پبلشرز (Brill Publishers) کے ایک حالیہ فیصلہ سے ہوسکتا ہے کہ یہ فرم قرآن پر اولین دائرۃ المعارف یعنی ''انسائیکلوپیڈیا آف قرآن'' تیار کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ جبکہ اس سے پہلے وہ ''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'' اور *The dead sea Scrolls Study Edition* بھی تیار کروا چکی ہے۔ جین میک اولائف (Jane Mc. Auliffe) جو اس مجوزہ پراجیکٹ میں جنرل ایڈیٹر ہیں امید کرتے ہیں کہ قرآن انسائیکلوپیڈیا کسی حد تک بائبلی دائرۃ المعارف سے ملتا جلتا ہوگا اور ''ہزار برس کے قرآنی علوم کا ملخص'' ثابت ہوگا۔ موعودہ دائرۃ المعارف کے ابتدائی مقالہ جات کی اصلاح ہو رہی ہے اور اُن کی اشاعت اس برس کے آخر تک متوقع ہے۔

قرآن کے اس دائرۃ المعارف پر مسلم اور غیر مسلم مل کر کام کریں گے۔ اس کے مقالہ جات میں تعبیر و تشریح قرآن کا ہر رنگ موجود ہوگا جن میں سے بعض بالیقین روایتی اسلامی طرز تشریح کو چیلنج کریں گے۔ یوں اسلامی دنیا میں بہتوں کو جھٹکا لگے گا جبکہ وہاں اس طرح کی مطالعہ قرآن کی تجدید پسندانہ (revisionist) کوششوں کے لیے ابھی وقت موزوں نہیں۔ مصر کے لسان عربیہ کے استاذ اور دائرۃ المعارف کے مشاورتی بورڈ کے رکن نصر ابوزید پر جو سخت اعتراضات ہوئے ان سے واضح ہوتا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''مسلم علماء'' کے لیے قرآن کی تشریح نو کتنا مشکل مسئلہ ہے۔

ابوزید مصری کا ''ڈراؤنا مذاق'' (A Macabre Farce)

ابوزید کا قول ہے: ''قرآن ایک متن ہے، ایک ادبیانہ متن ہے۔ چنانچہ اسے سمجھنا، اس کی وضاحت کرنا اور اس کا تجزیہ کرنا بھی ادبیانہ حوالے سے ممکن ہے--- اور کہ یہ ایک دینیاتی مسئلہ ہے''۔ گویا ابوزید نہیں مانتے تھے کہ قرآن اللہ کا غیر متبدل کلام ہے، اور انہوں نے اپنی تحریر کی اشاعت کے ذریعے اس تصور کو چیلنج کر دیا تھا کہ قرآن کو لازماً لفظی طور پر (literally) خدا کے مکمل اور غیر متبدل کلام کے طور پر ہی پڑھنا چاہیے۔ چنانچہ وہ ۱۹۹۵ء میں باقاعدہ سرکاری طور پر مرتد قرار پائے۔ ۱۹۹۶ء میں مصری عدالت عظمیٰ نے یہ فیصلہ برقرار رکھا اور ابوزید کو حکم دیا گیا کہ اپنی مسلمان بیوی ابتہال یونس کو طلاق دے دے (جو اپنے خاوند کے ساتھ خوش تھی اور جس نے اس عدالتی فیصلہ کو اپنے سر پر پڑنے والی ناگہانی موت قرار دیا تھا۔)

ابوزید کا اصرار ہے کہ وہ متقی مسلمان ہے لیکن وہ یہ بھی کہتا ہے کہ قرآن کے بعض واضح مندرجات، مثلاً خواتین کے ساتھ طرز عمل کے بارے میں دقیانوسی قوانین، جن کے باعث اسلام بدنام ہے، زیادہ اہم امور نہیں ہیں جبکہ مقابلتاً بعض مندرجات میں بڑے دقیق، باز آفریدہ، اور روحانی بالیدگی کے رموز پوشیدہ ہیں۔ ان کے ضمن میں روایتی اسلامی دعوؤں کو وہ مضحکہ خیز کہتا ہے کیونکہ اس کے خیال میں اس سے الٰہی، آفاقی اور حرکی متن پر جامد انسانی تشریح کی قدغن لگ جاتی ہے جس کی حیثیت ایک معمولی چھلّے --- زیور--- یا طلسمان (تعویز/نقش) سے زیادہ نہیں ہوتی۔

کچھ وقت ابوزید مصر میں رہ کر ارتداد کے الزام کا جواب دینے کی کوشش کرتا رہا لیکن بالآخر پبلک کی طرف سے ڈرانے دھمکانے کے بعد بیوی کو لے کر ہالینڈ چلا گیا۔ اس نے اس پورے معاملے کو ''کریہہ اور ڈراؤنا مذاق'' قرار دیا۔ شیخ یوسف البدری، جن کے مواعظ وخطبات نے ابوزید کی مخالفت کو جنم دیا، خوش ہو کر فرماتے ہیں: ''ہم دہشت پسند نہیں۔ ہم نے بندوق یا مشین گن استعمال نہیں کی۔ لیکن ہم نے ایک اسلام دشمن کو اپنے دین کے استہزا سے روک دیا ہے--- اب کسی کو اسلام کو نقصان پہنچانے کی ہمت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہوگی''۔

ابوزید کا خوف زدہ ہوکر بھاگنا حق بجانب لگتا ہے۔ ۱۹۹۲ء میں مصری اخبار نویس فراغ فودۃ کو اسلام پسندوں (Islamists) نے قتل کر دیا تھا کہ وہ مصری اخوان المسلمون کا ناقد تھا۔ جبکہ ۱۹۹۴ء میں نوبل انعام یافتہ ناول نگار نجیب محفوظ کو چھرا گھونپ دیا گیا تھا کہ اس نے من جملہ دیگر کاموں کے ۱۹۵۹ء میں ''جبلوی کے بچے'' نامی ناول قرآن کے مجازی اور تمثیلی انداز میں لکھا تھا جس میں خدا اور پیغمبر خدا [صلی اللہ علیہ وسلم] کے متعلق کافرانہ تصورات تھے۔

الجزائر سے تعلق رکھنے والے پیرس یونیورسٹی کے پروفیسر امریطس محمد ارکون (Arkoun) کہتے ہیں: ''قرآن کے قدیم اور رائج اندازِ تشریح سے ہٹ کر کچھ کہنا بہت نازک معاملہ ہے۔ جس کے گہرے مضمرات ہو سکتے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں لوگ روزانہ اپنے معاملات میں قرآن سے رجوع کرتے ہیں کہ اپنی امنگوں کو حق بجانب ٹھہرا سکیں۔ اس سے پہلے اس پیمانے پر کسی کتاب کی طرف رجوع نہیں ہوا''۔

فہم قرآن کا مسئلہ *

ضخامت میں تقریباً انجیل مقدس (عہد نامہ جدید) کے برابر، ۱۱۴ سورتوں پر مشتمل جو لمبائی میں بہت کچھ مختلف ہیں، قرآن [پاک] کی ترتیب نہ تو نزولی/ زمانی ہے اور نہ موضوعات کی بنیاد پر۔ اس غیر معروف تشکیل کے باوجود جو بات عموماً نو وارد کو حیران کرتی ہے وہ اُسی عقیدے اور قصص کا بیان ہے جو بائبل میں ہیں۔ اللہ کی حکومت کبریٰ، اُس کا اقتدار مطلق، علیم و خبیر ہونا اور اُس کا رحم و کرم، کہ اُسی نے یہ دنیا

---

*[نوٹ: ٹوبی لیسٹر کے مقالے کے تین حصے ہیں۔ دوسرے حصے میں وہ بعض اسلامی مآخذ کے سہارے مکہ کے جغرافیہ، موسمی حالات، سخت معیشت اور سینا و یہودیہ سے ایک طرح کی مشابہت کی بنیاد پر نزول وحی کے لیے موزونیت کا ذکر کرتا ہے۔ پھر مکی حیاتِ نبویؐ، ہجرت اور مسلم سوسائٹی کی تشکیل اور اسلامی فتوحات کا بیان ہے۔ اسی حصے میں ''جمع قرآن'' کا (ادھورا) قصہ بھی درج ہے۔ اس حصہ کے آخر میں حدیث اور سیرت کی تدوین اور تفسیر قرآن کا بیان ہے۔ یہ امور چونکہ عام طور پر معلوم اور معروف ہیں اس لیے ہم اس حصہ سے صرف نظر کر کے یہاں تیسرے اور آخری حصے کی تلخیص پیش کر رہے ہیں۔ ادارہ]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا فرمائی، جو انبیاء [علیہم السلام] کے واسطے سے اپنے پیغامات اور احکامات انسانی رہنمائی کے لیے بھیجتا ہے اور آخرت کی گھڑی جسے صرف وہی جانتا ہے جب وہ سب کا حساب اور انصاف فرمائے گا --- جنت سے آدم [علیہ السلام] کا نکالا جانا، نوح [علیہ السلام] کی کشتی اور طوفان کا قصہ، ابراہیم [علیہ السلام] کا بیٹے کی قربانی دینا، موسیٰ [علیہ السلام] کا مصر سے خروج اور سینا پر حصول وحی، عیسیٰ [علیہ السلام] جنھیں مسیح کہا گیا کی کنواری مریم عذرا [علیہ السلام] کے بطن سے پیدائش، معجزات، حواری اور رفع الی السما -- یہ سب مشترک بیانات ہیں۔

قرآن اس توحیدی وراثت پر بہت زور دیتا ہے --- لیکن ساتھ ہی پوری شدت سے اسلام کے یہودیت اور عیسائیت سے ممتاز ہونے کو بھی بیان کرتا ہے۔ مثلاً قرآن میں حضرت ہودؑ، صالحؑ، شعیبؑ، لقمان اور دوسروں کا ذکر ملتا ہے جو عرب شخصیتیں ہیں۔ قرآن اپنے قاری کو یاد دلاتا رہتا ہے کہ ''قرآن عربی ہے، اُن لوگوں کے لیے جو سمجھتے ہیں''۔

گو قرآن تبیین اور سہل فہم پر بہت زور دیتا ہے تاہم یہ عصری پڑھنے والوں کے لیے ''بے حد مشکل'' ہے خواہ وہ بہت اچھی عربی جانتے بولتے ہوں۔ اکثر اس کے اسلوب، ندا (voice) اور موضوع گفتگو میں ایک سے دوسری آیت تک میں ڈرامائی تبدیلی آجاتی ہے۔ قرآن فرض کرتا ہے کہ زبان، قصے اور بعض واقعات معروف اور معلوم ہیں جبکہ متقدمین مسلم مفسرین تک کی یادداشت سے وہ گم ہو چکے ہیں --- اس کے ظاہری ''تضادات'' بڑی آسانی سے پکڑے جاسکتے ہیں: ''خدا کا ذکر ایک ہی جملے میں کبھی واحد حاضر تو کبھی غائب ہستی کے طور پر ہوتا ہے۔ مختلف محل اور منظر میں ایک قصہ کے مختلف اجزاء بیان ہوتے ہیں۔ احکامات خداوندی بعض اوقات ایک دوسرے کی تنقیص کرتے ہیں۔ اس آخری معاملے میں قرآن محسوس کرتا ہے کہ تنقید ہوگی لہذا پیشگی اپنے دفاع میں کہتا ہے: --- کہ خدا کو حق ہے کہ اپنا پیغام منسوخ کر دے---''۔

سو تنقید ہوئی۔ جب آٹھویں صدی میں مسلمانوں کا عیسائیوں سے رابطہ ہوا تو جنگوں کے ساتھ ساتھ دینیاتی مناظرے بھی شروع ہو گئے۔ عیسائی اور دیگر مصر رہے کہ مبہم بیان کی وجہ سے قرآن کا انسانی تصنیف ہونا ثابت ہوتا ہے۔ خود مسلمان علماء بڑی ''نزاکت'' سے قرآنی اشکالات کی فہرست مرتب کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے تھے---مثلاً اس کے غیر مانوس الفاظ، متن کی فروگزاشتیں، گرامر کا عدم تناسب، اختلافِ قرات وغیرہ---خود اسلامی حلقوں میں آٹھویں صدی عیسوی میں ''خلق قرآن'' کا سوال شدت سے اٹھا۔جس کی پشت پر المامون (۸۱۳-۸۳۳) جیسے خلفاء اور معتزلہ کا طاقتور گروہ تھا، جن کا زور دسویں صدی تک برقرار رہا۔تب کہیں سیاسی ضرورتوں کے تحت ''اعجاز قرآن'' کا تصور سامنے آیا چنانچہ قرآن کا ترجمہ کرنے کے بجائے غیر عرب سب کے لیے اس کا عربی متن باقی رکھا گیا۔ترجمے ہوئے لیکن صرف متن کی تفہیم کے لیے۔اسلامی تاریخ میں ''اعجاز قرآن'' کا عقیدہ وہ مرحلہ ہے جس کے بعد قرآن کا غیر مخلوق اور کلمۃ اللہ ہونا ہمیشہ کے لیے مسلم ہو گیا۔

مخبوط غارت گری(Psychopathic Vandalism)

جیرڈ پوئن بڑی حقارت سے اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ مسلم اور مغربی علما نے قرآن کے روایتی مفہوم کو قبول کر لیا ہے۔وہ کہتا ہے: ''قرآن کا اپنے بارے میں یہ دعویٰ ہے کہ وہ مبین ہے۔(واضح کتاب ہے)---لیکن اگر آپ اس کا مطالعہ کریں تو اس کا ہر پانچواں جملہ کوئی مطلب واضح نہیں کرتا۔بہت سے مسلمان اور خود مستشرقین کچھ اور وضاحت کریں گے، لیکن سچ یہ ہے کہ قرآن کا پانچواں حصہ نا قابل فہم ہے۔یہی وجہ اس کے ترجمے میں روایتی مشکلات کا سبب بن گئی ہے۔اگر قرآن قابلِ فہم نہیں اور اسے عربی میں بھی نہیں سمجھا جا سکتا تو پھر اس کا ترجمہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔عربی زبان بولنے والے آپ کو بتائیں گے کہ اس میں تضاد ہے اور ''کچھ مزید'' کو جاننا ضروری ہے''۔

اس ''کچھ مزید'' کی تلاش دراصل اسی صدی میں شروع ہوئی۔پیٹریشیا کرون کہتی ہے: ''قرآن کی ابتداء اور معنی کے متعلق مسلمانوں کے دعویٰ کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیا گیا۔اس خیال کو جھٹک دیں تو نئی ابتداء کرنی ہو گی''---لیکن یہ اتنا آسان مسئلہ نہیں۔قرآن تاریخی روایت میں مضبوطی سے لپٹا ہوا ہم تک پہنچا ہے جو ہر تنقید اور تجزیہ کو پوری قوت سے رد کرتی ہے۔

Slaves on Horses میں کرون اسے یوں بیان کرتی ہیں:

بائبل کے مرتبین بتاتے ہیں کہ اسرائیلی روایت کی مختلف تہیں کئی ادوار سے گزر کر جم پائیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ اس کی گواہیوں کو جانچا پرکھا جا سکتا ہے۔ لیکن اسلامی روایت اس طرح کی آہستہ رو تقلیم (crystallization) کا نہیں بلکہ ایک ''دھماکے'' کا نتیجہ ہے۔ ابتدائی جامعین مرتبین نہ تھے بلکہ ''کباڑ'' (debris) اکٹھا کرنے والے تھے جن کے کام میں عمومی وحدت نظر نہیں آتی اور اُن کے تقابلی مطالعوں سے خصوصی روشنی نہیں ملتی ---

چنانچہ محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کی دنیا اور بعد کے مورخین کی ''دنیائیں'' ڈرامائی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اسلام کی پہلی صدی میں ہی ''مشرک صحرائی قبائلیوں'' کا ایک علاقائی گروہ اداراتی توحید کی ایک ایسی بین الاقوامی سلطنت کا محافظ و سرپرست بن جاتا ہے جس میں بے مثال علمی اور سائنسی سرگرمی جاری تھی۔ بہت سے عصری مورخین کا خیال ہے کہ اتنی بڑی سماجی تبدیلیوں کے ہوتے اسلام کی ابتدا کی روایتی کہانیاں تسلیم نہیں کی جا سکتیں۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ ابتدائی صدیوں میں یہ (کہانیاں) زبانی روایت کے بل بوتے پر آگے پہنچیں۔ نویں، دسویں صدی کے عراقی مؤرخ سے توقع بھی نہیں کہ وہ اپنے دینی عقیدے کو پس پشت رکھ کر ساتویں صدی عیسوی کے عربی پس منظر کو صحیح بیان کرے گا۔ --- سٹیفن ہمفرے اپنی کتاب *Islamic History: A Framework for Inquiry* (1988) میں اس نتیجے پر پہنچتا ہے:

> اگر ہمارا مقصد وہ طریقہ معلوم کرنا ہو کہ آٹھویں نویں صدی عیسوی کے مسلمان اپنی سوسائٹی کی ابتدا کو کیسے دیکھتے تھے، پھر تو ٹھیک ہے لیکن اگر ہمارا مقصد یہ جاننا ہو کہ اسلام کی ابتدائی دہائیوں میں 'حقیقتاً ہوا کیا تھا' اور اس کی معتبر سند کیا ہے، تب ہمارا کام مشکل ہے۔

گزشتہ چند دہائیوں میں قرآنی مطالعات کو سب سے زیادہ لرزا دینے والا شخص جان وانس برو (John Wansbrough) ہے جو لندن یونیورسٹی کے "School of Oriental and African Studies" سے وابستہ رہا ہے۔ مذکورہ یمنی پارچوں کے تجزیے میں پوئن اُسی کا آموختہ دوہرا رہا ہے۔ پیٹریشیا کرون کہتی ہے کہ ''اس نے اور مائیکل کک نے *Hagarism* میں قرآن کے متعلق بہت کچھ وانس برو سے ہی لیا ہے''۔ البتہ دوسرے علماء وانس برو کے کام کو بہت ''گمراہانہ''، ''سفاکانہ حد تک غیر شفاف'' اور ''بے محابہ خود فریبی'' پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ لیکن پسند ہو یا ناپسند ہر شخص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کا مطالعہ کرتے وقت وانس برو کے دو کاموں کی طرف رجوع پر مجبور ہے۔ ایک: *Quranic Studies: Sources and Methods of Scriptural Interpretation* (۱۹۷۷ء) ہے۔ دوسرا *The Sectarian Milieu: Content and Composition of Islamic Salvation History* (1978) ہے۔ وانس برو نے بائبل پر تنقید کے سبھی ہتھیار قرآن [پاک] پر آزماڈالے ہیں۔---تشکیکی تنقید، ماخذی تنقید، ترتیبی تنقید، اور بہت کچھ مزید۔ پھر وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ ''قرآن [پاک] آہستہ آہستہ ساتویں اور آٹھویں صدیوں میں ارتقاپذیر ہوا۔ اس لمبے عرصے میں زیادہ تر زبانی روایت پر انحصار رہا، جبکہ مکہ اور مدینہ کے متصل شمال (آج کے شام، اردن، اسرائیل اور عراق کے علاقوں) میں یہودی اور عیسائی بڑے فصیح اور طرار مباحث میں الجھے ہوئے تھے۔ پہلی صدی ہجری کا کوئی ٹھوس اسلامی ماخذ اگر آج میسر نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کوئی ماخذ تھا ہی نہیں---''۔

وانس برو کے اندازِ تحقیق اور تجزیہ کو مسلمان بہت جارحانہ قرار دیتے ہیں۔ ایس پرویز منظور کے الفاظ میں: ''طاقت کا ننگا استعمال'' اور ''مخبوط غارت گری کا ہیجان انگیز مظاہرہ''۔ لیکن پرویز منظور بھی یہ نہیں کہتا کہ قرآن کا تنقیدی مطالعہ نہ ہو۔ وہ مسلمانوں پر زور دیتا ہے کہ مغربی تجدید پسندوں (revisionists) کو علمی محاذ پر شکست دینے کی ضرورت ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ مطالعہ قرآن کے ضمن میں جلد یا بدیر مسلمانوں کو روایتی اصول وقواعد سے ہٹ کر انداز اختیار کرنا پڑے گا۔

مسلم دنیا میں تجدد پسندی

صدی بھر سے اسلامی دنیا میں ایسی عوامی شخصیتیں سامنے آرہی ہیں جو قرآن اور اسلامی تاریخ کے مطالعہ نو (revisionist study) کی کوشش کررہی ہیں۔ جلاوطن ابوزید اکیلا نہیں۔ ابوزید کا مشہور پیش رو سابق مصری وزیر، یونیورسٹی پروفیسر اور مصنف طٰہٰ حسین تھا۔ حسین ایک پختہ تجدد پسند (modernist) تھا۔ اس نے عرب جاہلیت کی شاعری کا مطالعہ کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ بہت حد تک یہ شاعری بعد از اسلام کوششوں کا نتیجہ ہے جن کا مقصد ''اساطیر قرآن'' کو بیرونی سہارا دینا تھا۔ زیادہ قریبی دور کی مثال ایران کا اخبار نویس اور سفارت کار علی دشتی ہے جس نے اپنی کتاب *Twenty Three Years: A Study*

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

of Prophetic Career of Mohammad (1985) میں بار بار مسلمانوں کو جھاڑ پلائی کہ وہ حیاتِ محمدی [صلی اللہ علیہ وسلم] کے روایتی بیان پر اعتراض کیوں نہیں کرتے جو اس کے بہ قول [العیاذ باللہ] ''بہت کچھ اساطیری اور معجزوں کا غوغا (miracle-mongering) ہے''۔

ابوزید نے محمد عبدہٗ کی بے حد مؤثر شخصیت کو بھی اپنے نظریات کے نقیب کے طور پر پیش کیا ہے۔ انیسویں صدی مصر کے اس ''بابائے ماڈرنزم'' کو نویں صدی عیسوی کے معتزلہ اصولوں میں ایک نئی اسلامی دینیات مرتب کرنے کے بہت کچھ امکانات نظر آتے تھے۔ اس صدی کی ابتدا میں مسلک اعتزال کو بعض مسلمان حلقوں میں بڑی پذیرائی ملی تھی۔ مصری دانش ور احمد امین کے مطابق: ''معتزلہ کا زوال مسلمانوں کی بہت بڑی بدقسمتی اور ان کا خود اپنے خلاف جرم تھا''۔ پاکستان کے فضل الرحمٰن معتزلہ کی مشعل کو ماضی قریب تک اٹھالائے۔ وہ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں وطن سے نکلے اور ۱۹۸۸ء تک امریکہ میں پڑھاتے رہے اور بہت سے مسلم اور غیر مسلم طلباء کی تربیت معتزلہ مسلک کی روایت پر کی۔

لیکن ان لوگوں کو اس کی قیمت چکانا پڑی۔ ابوزید کی طرح طٰہٰ حسین کو بھی مصر میں مرتد قرار دیا گیا۔ علی دشتی انقلاب ایران (۱۹۷۹ء) کے جلد بعد پُراسرار طور پر وفات پا گئے۔ اور فضل الرحمٰن کو ۱۹۶۰ء کی دہائی میں پاکستان بدر ہونا پڑا۔ آرتھوڈوکس عقیدے کو چیلنج کرنے والے مسلمانوں کو بہت احتیاط کرنا پڑے گی۔ ابوزید اس صورت حال کے متعلق کہتا ہے: ''میں چاہوں گا کہ قرآن کو اس زنداں سے رہائی ملے۔ تاکہ یہ ایک بار پھر ہمارے جوہر ثقافت اور اُن فنون کے لیے مؤثر عامل بن جائے جنھیں ہمارے سماج میں سُولی پر لٹکا دیا گیا ہے''۔ مصر میں اپنے بہت سے دشمنوں کے باوجود لگتا ہے کہ ابوزید کو اچھی خاصی پذیرائی مل رہی ہے اور عرب دنیا میں اس کے پڑھنے والے بڑھ رہے ہیں۔ مثلاً ابوزید کہتا ہے کہ اس کی کتاب *The Concept of the Text* (1990) جو اس کی جلاوطنی کی بڑی وجہ بنی، کے کم از کم آٹھ زیرزمین ایڈیشن قاہرہ اور بیروت سے چھپ چکے ہیں۔

پیرس یونیورسٹی کے الجزائری پروفیسر محمد ارکون ایک اور سکالر ہیں جو قرآن کے مطالعہ نو میں مصروف ہیں۔ *Lectures du Coran* (1982) میں ارکون یہ دلیل دیتا ہے کہ: ''وقت ہے کہ اسلام، باقی عظیم تہذیبوں کے ساتھ نئے سائنسی علم کا سامنا کرنے کا خطرہ مول لے''۔ ارکون اور ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم خیال سمجھتے ہیں کہ ''مسلم آرتھوڈوکسی'' کو چیلنج کرنے کے لیے بیرونی مخاصمانہ قوتوں کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ اس پر ''اندر'' سے حملہ کیا جائے۔ان کا خیال ہے کہ اس کا آخری نتیجہ ''اسلامی نشاۃ ثانیہ'' کی شکل میں سامنے آئے گا۔

لیکن یہ فکر عظیم مسلم اکثریت کو قبول نہیں ہوئی جو قرآن [پاک] اور اسلامی تاریخ کے راسخ اور قدیم تصور پر کوئی سوال اٹھانے کے موڈ میں نہ تھی نہ اب ہے۔اس کے باوجود اسلام سماجی تبدیلیوں اور نئے خیالات کے لیے اپنی وسعت قلبی کی وجہ سے دنیا کے عظیم ترین مذاہب میں شامل ہوا۔صدیوں پہلے جب یورپ جہالت کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا مسلم دنیا میں سائنسی اور فلسفیانہ دریافتوں کی بہار تھی۔مسلمان مورخ اور حکماء نہ ہوتے تو مغرب یونان اور روم کے وِرثہ سے واقف ہی نہ ہو پاتا۔خود تاریخ اسلام کی شہادت یہ ہے، بائبل سکالرشپ کی حالیہ تاریخ بھی اس کی گواہ ہے، کہ الہامی کتب کے تنقیدی مطالعے لازماً معاندانہ نہیں ہوتے بلکہ وہ روحانی اور تہذیبی احیا کا باعث بھی ہوتے ہیں۔

آنے والے برسوں میں جوں جوں مسلم آبادی بڑھے گی، جوں جوں تاریخی ماخذوں کی تنقیح ہوگی اور جیسے جیسے اسلام اور تحریک نسواں متقابل ہوں گے، قرآن اور اسلامی تاریخ کی ہمہ جہت تشریحات سامنے آئیں گی جس سے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے روایتی اور ثقافتی امتیازات تحلیل ہوں گے۔ یہ مختلف تشریحات یقیناً نزاعات کا باعث بھی بنیں گی۔آخر اسلام کے کئی رنگ اب بھی تو موجود ہیں--- بوسنیا، ایران، ملائشیاء، نائیجریا، سعودی عرب، جنوبی افریقہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ--- یہ کئی سماجی اور دانش ورانہ جہتیں اور تبادلات (permutations) اسلام کی بوقلموں تہذیب کو سمجھنے کے واضح اشارے ہیں--- چنانچہ لازماً ابتدا قرآن کے مطالعے سے کرنی ہوگی، جو آنے والے برسوں میں ایسی نزاع انگیز، مسحور کن اور اہم ثابت ہوگی جیسے اس صدی میں بائبل کا مطالعہ تھا۔(ترجمہ: محبّ الحق صاحبزادہ)

© rasailojaraid.com